(غلام گردش)

ناں جاننا، جاننے سے بہت بہتر ہے

ساجد عمر گل سے پہلی ملاقات کہاں ہوئی۔صرف دھندلا سا یاد ہے۔شائد ایک ٹی وی چینل پر۔ چھ سات برس پہلے۔قطعاً علم نہیں تھا کہ ساجد گل کون شخص ہے۔میرا تو دور دور تک اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔معلوم ہوا کہ اس نجی چینل میں پروڈیوسر ہے۔سرسری سی ملاقات ہوئی۔اس شخص کی جزئیات پر گرفت دیکھ کر تھوڑا سا حیران ضرور ہوا۔بہرحال ہم دونوں ایک دوسرے کیلئے مکمل اجنبی تھے۔یہ بھی محسوس کیا کہ انتہائی خوش لباس انسان ہے۔یہ وصف اسلیے قابل ذکر ہے کہ بہت زیادہ تعداد میں لوگوں کو اوڑھنے پہننے کا سلیقہ نہیں آتا۔بہرحال ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ملاقات ختم ہوئی اور میں گل کے متعلق کسی قسم کا منفی یا مثبت تاثر لیے واپس آ گیا۔اس زمانے میں طالبعلم،سٹاف کالج لاہور میں درس وتدریس کے عمل میں مصروف تھا۔ویسے سرکاری ملازم کو علم کے ذریعے تبدیل کرنا ناممکن سا عمل ہے۔اس عمل میں ساڑھے تین برس مصروف کار رہا۔بھیجنے والوں نے تو مجھے وہاں سزا کے طور پر پوسٹ کیا تھا۔مگر میرے لیے یہ بہترین دور ثابت ہوا۔ایسے لگا کہ پڑھانا میرے مزاج کے حد درجہ نزدیک ہے۔دراصل مجھ سے بیوروکریسی کا ایک طاقتور طبقہ کافی نالاں تھا اور انکی ہمیشہ کوشش رہتی تھی کہ مجھے ذہنی اذیت پہنچائی جائے،مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ سٹاف کالج کی پوسٹنگ میرے لیے بہترین دور ثابت ہوئی۔اکثر نوجوان افسروں کو علم سے دور رہنے کی وجوہات سامنے آئیں۔یہ بھی اندازہ ہوا کہ تعلیم ہمارے جیسے افسروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔سٹاف کالج کی ترتیب کیونکہ بیس سے اکیس گریڈ میں ترقی کیلئے لازم تھی۔لہذا چھ ماہ کا یہ دورانیہ،اکثر سرکاری ملازم بڑی تکلیف سے گزارتے تھے۔نظر آتا تھا کہ یہ لوگ صرف اور صرف مجبوری میں یہ بوجھ اُٹھا رہے ہیں۔

ساجد گل سے دوستی ہوگئی۔اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص تو تہہ در تہہ پیاز کی طرح ہے۔ایک چھلکا اُتاریں تو ایک نیا انسان برامد ہو جاتا ہے۔ایک طرف معلوم ہوتا تھا کہ روحانی دنیا کا ایسا مسافر ہے،جس نے سر پر عمامہ باندھ رکھا ہے اور برہنہ یا تپتی ہوئی ریت پر سفر کر رہا ہے۔اُف تک نہیں کرتا۔ہر زیادتی اور تکلیف کو بغیر کسی شکوے کے برداشت کر لیتا ہے۔کسی کو بتاتا تک نہیں کہ وہ ملامتی صوفیوں کی لڑی سے پرویا ہوا ہے۔ہاں،دس پندرہ دن کے بعد کچھ دنوں کیلئے بغیر بتائے ہوئے غائب ہو جاتا تھا۔واپسی پر میں اکثر پوچھتا تھا کہ گل صاحب،آپ کہاں گئے تھے۔مسکراتے ہوئے سنجیدگی سے جواب ملتا تھا۔بس،بابا فرید کے دربار پر حاضری کا بلاوا تھا۔وہاں جانا پڑ گیا۔خیر مجھے تو قطعاً علم نہیں تھا کہ بابے کس طرح خط وکتابت کرتے ہیں اور لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم آ جاؤ۔اس سے بھی بڑی بات،کہ کسی کو بتایا جاتا ہے کہ نہیں تم نے میرے دربار پر بالکل نہیں آنا۔اس معاملے میں نوے فیصد چیزیں مجھ سے چھپا جاتا تھا۔ویسے میں نے بھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔کبھی کبھی،نہ جاننا،جاننے سے بہت بہتر ہوتا ہے۔ساجد کے ساتھ کافی وقت گزرنے لگا۔وہ ایک اچھا انسان تو ہے ہی،مگر ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی ہے۔اسکی شخصیت کا یہ رخ میرے لیے بالکل نیا تھا۔بالکل اسی طرح جیسے لطیف چوہدری کے خلوص اور محبت کو دیکھ کر میں سوچ میں پڑ جاتا ہوں،کہ یہ شخص بالاخر کون ہے۔ویسے لطیف چودھری بھی اپنی وضع قطع کا ایک نایاب انسان ہے۔اس پر پھر کبھی بات کرونگا۔ساجد گل مجھے ایسی ایسی غزلیں اور نظمیں بھیجتا تھا کہ میں بار بار پڑھتا ہوں

اور سر دھنتا ہوں۔ ایسا بلند خیال شاعر۔ ایسی اُٹھان، لفظوں پر اتنی گرفت۔ کمال۔ صاحب کمال۔ چند دن پہلے، ساجد نے مجھے ایک نظم بھجوائی۔ بڑی شائستگی سے کہا کہ اسے ہو سکے تو کسی تحریر میں ضرور استعمال کریں۔ یہ پہلی بار تھا کہ ساجد گل نے مجھے شاعری کو ضبطِ تحریر میں لانے کا کہا تھا۔ جب نظم پڑھی، تو حد درجہ بلند خیال دیکھ کر کئی منٹ خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنا درد، اتنی صلاحیت۔ سوچنے کا اتنا وسیع کینوس۔ کمال ہے۔ ویسے ساجد گل مجھے ناں بھی کہتا، تب بھی اس کلام کو ضرور کالم کا حصہ بنانا تھا۔

نظم کا عنوان ہے ''آدم زاد مرتا ہے''

خدایا نسلِ آدم پر ستم ہائے زمانہ کا — جو پہرہ ہے زمانوں سے
کوئی اسکا تدارک بھی — تو مالک ہے جہانوں کا
لہو آدم کی نسلوں کا ہمیشہ ہی سے ارزاں ہے — یہ قتل و خون کی وادی
سبھی دنیا کی بربادی — کہیں طوفان پانی کا
کہیں پر خشک سالی ہے۔ — کبھی دھرتی اُلٹنے کو کہیں بھونچال آتے ہیں
فسادِ اَرض کی زد پر کئی پاتال آتے ہیں — جدھر کو بھی نظر کیجئے
ادھر سے موت آتی ہے — یہ جیون کیسا جیون ہے کہ گویا اِک قیامت ہو
تسلی کی کہیں پر ہو جو کوئی ایک صورت ہو — کوئی پل ہو سکوں کا بھی
کوئی تو مول ہو مولا رگِ آدم کے خوں کا بھی

آگے چلیے، ساجد گل کی نظم ''نافرمان''

ازل سے ابد تک خوشی اس میں میری نہ تب تھی نہ اب ہے — یہ معیادِ وقتِ معین غضب ہے
کہ جس میں مجھے خود سے جینے کی ہرگز اجازت نہیں ہے — مری گیلی مٹی کو کوئی حقیقت نہیں ہے
یہ مٹی جو خود اپنے شانوں پہ بھاری پڑے ہے — مجھے میرے قدموں پہ کب تک اُٹھائے
مجھے یہ نہ بھائے — چنانچہ جھٹک کر فنا اور بقا کی مسافت کے سارے
نفعے اور خسارے — سبک سر اپنے حقیقی ٹھکانے کو جاتی ہوئی
راہ پہ تنہا کھڑا ہوں — خدایا ابھی تک میں ضد پر اڑا ہوں

کمال گلہ ہے۔ دل سے نکلی ہوئی ایک ہوک ہے، فریاد ہے۔ پھر گل کی کہی ہوئی ایک غزل پر توجہ دیجئے!

فقیرانہ خلعت جو کی زیبِ تن — مجھے بادشاہی کا ہے پیرھن
میں ہوں بے ستوں کوہِ عشق و وفا — مری زندگی تیشۂ کوہ کن
میرا خاک ہونا ہے عزت مجھے — میں غنچہ دہن ہوں نہ دُرِ یمن

نمی جس طرح سے تہہِ سنگِ خشک　　ہرا میرا من ہے تو سوکھا بدن
ازل سے تسلسل ہے قائم مرا　　مری زندگی ہے قرن ہا قرن
ملے مجھ کو رستہ مرے دشت کا　　میں آہو ہوں لیکن ورائے ختن
وہ تکمیل کر دے مری ذات کی　　تہی روح سے ہوں میں خالی بدن

پھر پنجابی میں بابا فریدؒ کے متعلق جو کچھ لکھا، وہ بھی کمال ہے

تُوں من دے دیوے بال کے اتنے کیتے چانن عام　　اساں گھپ ہنیرے ونڈ دے ساڈی سخر دوپہر وی شام
اساں وکھو وکھ نمانڑے تے انھی راہ دے ککھ　　اساں اُڈ دے حرص ہواواں وچ سانوں سانبھ فریدن رکھ
ساڈے لیکھ سمندر دوزخی سانوں ڈوبن آئے چھل　　اِک نظر کرم دی سوہنیا ہو جائے ساڈے ول

ہاں، ایک غزل ملاحظہ کیجئے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ساجد گل کس فکری عذاب سے گزر رہا ہے۔

قصہ خوانوں میں ہوا ختم کہانی کہنا　　بات کب آئی ہمیں اپنی زبانی کہنا
اس سے کہنا کے اُٹھا لے وہ پڑاؤ دل سے　　دشتِ جاں میں ہے بہت غم کی روانی کہنا
میری آنکھوں سے جو پیہم ہے رواں غم جاناں　　گریہِ خون ہے یہ اس کو نہ پانی کہنا
تم سمجھتے تھے ہوئی ختم یہ وحشت اپنی　　ہے سرِ ریگِ رواں کس کی نشانی کہنا؟

ساجد گل کی شاعری کا ایک تھوڑا سا حصہ آپکے سامنے لانے سے حق تو خیر ادا نہیں ہوتا، مگر بہر حال ذہن میں یہ سوال ضرور اُٹھتا ہے کہ یہ ساجد عمر گل ہے کون! کیا یہ ایک ملامتی صوفی ہے۔ کیا یہ ایک بہترین شاعر ہے۔ یا اس سے بڑھ کر ایک اچھا انسان ہے۔ مجھے چھ برس میں بالکل پتہ نہیں چل سکا۔ اب اب تو میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔

راؤ منظر حیات